© rasailojaraid.com

محمد اسحاق بھٹی

ایک حدیث

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ ان امرہ کلہ لہ خیر، ولیس ذالک لاحد الا للمؤمن، ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا، وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا۔

(صحیح مسلم کتاب الزہد۔ باب فی احادیث متفرقہ)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کا عجیب معاملہ ہے، اس کی زندگی کا ہر پہلو اس کے لیے بہتری کا باعث ہے، اور یہ وہ سعادت ہے جو مومن کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ اگر اسے کوئی خوشی حاصل ہو تو شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لیے اچھی بات ہے۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو صبر سے کام لیتا ہے، یہ بھی اس کے لیے اچھی بات ہے۔

یہ کائنات اور اس کا نظام نہایت عجیب و غریب ہے جو کروڑوں سال سے ایک خاص رفتار کے ساتھ چل رہا ہے اور معلوم نہیں کب تک چلتا رہے گا۔ اس میں خیر بھی ہے اور شر بھی، امن بھی ہے اور فساد بھی، تخریب بھی ہے اور تعمیر بھی، نشیب بھی ہے اور فراز بھی، غلط کردار لوگ بھی ہیں اور صحیح الفکر بھی۔ یعنی تضاد و تناقض کا یہ ایک انتہائی دلچسپ مجموعہ ہے۔ اور یہی تضاد و تناقض اس کائنات کو ارتقا کی منزلوں کی طرف بڑھاتا اور اس کے عروج کا باعث بنتا ہے۔ اگر یہ ان متضاد کیفیتوں سے خالی ہو جائے یا ان میں سے ایک کیفیت ختم ہو جائے تو اس کے ارتقاء و تقدم کی تمام صورتیں ختم ہو جاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور یہ کائنات بے مقصد اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

گاڑی کے پہیے گھومتے ہیں تو بار بار ان کے اوپر کے حصّے نیچے کو اور نیچے کے حصّے اوپر کو جاتے ہیں۔ نیچے اور اوپر کی اسی حرکت و گردش کی وجہ سے پہیے آگے بڑھتے اور گاڑی چلتی ہے۔ اگر پہیے کے اوپر کا حصّہ نیچے نہ آئے، اور نیچے کا اوپر کو نہ جائے تو گاڑی رُک جائے گی اور آگے بڑھنے کے بجائے جامد ہو کر رہ جائے گی۔

اسی طرح اگر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن نہ آئے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ ہر شے کا وجود متضاد و متخالف عناصر کے ملاپ اور امتزاج کی وجہ سے قائم ہے۔ انسانی زندگی ارتقا کے جو مراحل طے کرتی ہے اور عروج کی جن منزلوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے، اس کا اصل سبب یہی ہے کہ اس میں بہ یک وقت دو باہم مخالف قوتیں کارفرما ہیں جو انسان کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ کسی وقت وہ مسرت سے ہمکنار ہوتا ہے اور کبھی غم سے، کبھی کسی کام میں کامیابی حاصل ہوتی ہے اور کبھی ناکامی سے واسطہ پڑتا ہے، کبھی مصیبت میں مبتلا ہے اور کبھی آرام و راحت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ ایجاب و سلب اور اثبات و نفی کے اسی امتزاج پر دُنیا کا نظام قائم ہے۔ گردش و انقلاب کے اس تسلسل کو ہم "خیر" سے تعبیر کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ انسان کو خیر ہی سے نوازتا ہے۔

بیدک الخیر وہ خیر اور بھلائی کا مالک ہے اور لوگوں کو خیر ہی عطا فرماتا ہے۔

لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس عالمِ ہست و بود میں "شر" کی بھی کمی نہیں۔ ہر خیر کے ساتھ شر اور ہر شر کے ساتھ خیر وابستہ ہے۔ پستی کے ساتھ بلندی اور بلندی کے ساتھ پستی بھی موجود ہے۔ جہاں نیکی دکھائی دیتی ہے وہاں برائی بھی ہے۔ زندگی کے پہلو بہ پہلو موت اور موت کے ساتھ زندگی کا وجود بھی ہے۔ جہاں کامیابی ہے وہاں ناکامی بھی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ شر سے دامن بچائے اور دُنیا کے ہر کام میں خیر کو اختیار کرے۔ اگرچہ وہ شر سے کلیتاً محفوظ نہیں رہ سکتا، تاہم اُسے شر سے مجتنب رہنے اور خیر کے حصول کی جدوجہد کرنی چاہیے، اور اگر وہ اس کے لیے جدوجہد جاری رکھے گا تو اس کے سامنے خیر کے دروازے کھلتے جائیں گے۔ اسے [illegible] چاہیے [illegible] طرف خیر کو منسوب کیا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شر کو نہیں۔ بے شک دُنیا میں خیر اور شر دونوں موجود ہیں۔ لیکن اس نے "بیدک الخیر" فرمایا ہے، "بیدک الخیر والشر" نہیں کہا۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ انسان کو "رجائی" ہونا چاہیے، "قنوطی" نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (زمر: ۵۳)

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

نیز ارشاد ہے۔

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (یوسف: ۸۷)

اللہ کی رحمتوں سے مایوسی کا اظہار نہ کرو۔

محض اس خیال سے کہ شر سے بچنا ممکن نہیں، کاروبارِ حیات کو ترک کر دینا اور معاملاتِ دُنیا سے اپنے آپ کو الگ کر لینا یاس و قنوط کے مارے ہوئے اور بے ہمت لوگوں کا کام ہے۔ مومن اور باہمت آدمی ہمیشہ روشن اور بہتر پہلو کو پیشِ نگاہ رکھتا ہے اور حصولِ فلاح کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

اس حدیث میں یہی بات واضح کی گئی ہے اور مومن کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ اگر اسے دُنیا میں مسرت حاصل ہوتی ہے یعنی اس کو بہتری اور خیر کے مواقع میسر آتے ہیں تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر کسی وقت تکلیف سے دوچار ہوتا ہے اور کسی مصیبت میں گھر جاتا ہے تو صبر سے کام لیتا ہے۔

اسے معلوم ہے کہ اس عالمِ آب و گل میں نہ مطلق خیر ہے، نہ مطلق شر ہے۔ دونوں کسی نہ کسی حد تک باہم ملی ہوئی ہیں۔ فائدے کے ساتھ نقصان بھی ہے اور نقصان کے ساتھ فائدہ بھی۔ انسان کو چاہیے کہ دونوں کو سامنے رکھے۔ لیکن جو قدم اُٹھائے حصولِ خیر کے لیے اُٹھائے۔ یعنی اس کے ذہن میں رجائیت ہونی چاہیے، قنوطیت نہیں۔ رجائیت کا نتیجہ ہمیشہ خیر کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس حدیث میں خوشی کو "سراء" سے اور تکلیف کو "ضراء" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مومن کے لیے دونوں کو خیر اور بھلائی قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ خوشی کے موقع پر شکر کا اور تکلیف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وقت صبر کا مظاہرہ کرتا ہے ۔ شکر کا مطلب یہ نہیں کہ ہر وقت الحمدللہ کی تکرار کرتا رہے ، نہ صبر کا مطلب مسکینوں کی سی شکل بنائے رکھنا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان بڑی بلند ہے اور وہ ہر معاملے میں توازن و اعتدال سے کام لیتا ہے ۔ نہ خوشی کے وقت اتراتا اور آپے سے باہر ہوتا ہے ، نہ غمی کے موقعے پر آہ و فریاد اور رونے دھونے کا سلسلہ شروع کرتا ہے ۔ ہر معاملے میں ضبط و استقلال اور صبر و تحمل کا ثبوت دیتا ہے ۔

اب ہمیں اس حدیث کی روشنی میں اپنے ذہن و ضمیر کو ٹٹولنا چاہیے ۔ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر عمل پیرا ہیں ؟ ہمارا یہ معاملہ ہے کہ اگر آرام و راحت میں ہوں تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے ، اور اگر کسی طرف سے تھوڑی بہت تکلیف پہنچ جائے اور مزاج و توقع کے خلاف بات ہو جائے تو مظلوم بن کر لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں کہ مارے اور لوٹے گئے ، ہماری مدد کو آؤ ۔ ہمارے مخالفوں کو جہنم رسید کرو اور ہمیں بچاؤ ۔

ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں تلقین فرماتے ہیں کہ ہم تکلیف اور مسرت دونوں مواقع پر اعتدال سے کام لیں اور ہر آن حصول خیر کے لیے کوشاں رہیں ۔ یعنی رجائیت کو اپنائیں اور قنوطیت کو دل سے نکال دیں ۔

© rasailojaraid.com